عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

رمضان ۱۴۳۶ھ / جولائی ۲۰۱۵ء

Reg No. P476

جلد: سیزدھم

شمارہ: 11

فھرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

جرگہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

پٹھانوں میں جرگے کا رواج ہے۔اس سلسلے میں بڑے بوڑھے، سمجھدار، صاحب حیثیت اور علمائے کرام اکٹھے ہوکر اہم کاموں کے فیصلے کرتے ہیں۔اہم پیغام جیسے رشتے وغیرہ خاندانوں کے مابین پہنچاتے ہیں۔ بندہ کو ایک معزز ساتھی نے کہا کہ ایک سلسلے کے صاحبِ خلافت بزرگ ہیں، ان کے بیٹے کی بیوی کے ساتھ ناچاقی ہوگئی ہے،اس سلسلے میں فیصلے کے لئے جرگہ لے جارہے ہیں، آپ بھی ساتھ چلیں۔ بندہ نے کارِ خیر کے ثواب کی نیت کرکے جانے کی حامی بھر لی۔لڑکی کے گھر پہنچے، ملاقات ہوئی،لوگ بڑے اعزاز سے ملے، جب بات شروع ہوئی تو لڑکی کے بھائی نے کہا کہ میں تو دنیادار آدمی ہوں، اس لڑکے کے رشتے کے لئے جب یہ لوگ آئے تو انھوں نے بیان دیا کہ لڑکا حافظِ قرآن ہے اور دینی مدرسے کا طالبعلم ہے۔شادی کے بعد پتا چلا کہ لڑکا نہ حافظ ہے نہ دینی مدرسے کا طالبعلم ہے بلکہ چرسی ہے اور آوارہ ہے۔اس جھوٹ کا خدا کے ہاں یہ کیا جواب دیں گے۔ یہ بات سن کر میرا سر شرم سے جھک گیا۔

سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہوا کہ تصوف کے سلاسل میں یہ بے احتیاطی آگئی ہے کہ سلسلے کے ذکر اذکار کا نصاب پورا کر لینے اور ڈاڑھی رکھ لینے پر خلافت دے دی جاتی ہے۔اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ خلیفہ صاحب نے میں دیانت امانت پیدا ہوئی ہے کہ نہیں۔ پہلے زمانے میں تو مشائخ اتنے مجاہدات کراتے تھے اور ایسا رگڑا دیتے تھے کہ جان جانے کے حالات ہو جاتے تھے۔حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ جو عالم باعمل تھے ایک دفعہ حضرت سے ملنے آئے ساتھ بیٹا بھی تھا، بیٹے کی عمر تیرہ سال تھی، بارہ سال سے اوپر عمر والے کو پورا ٹکٹ لینا ہوتا تھا، یہ لڑکا چونکہ قد میں چھوٹا نظر آرہا تھا اس لئے اس کے والد صاحب نے آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ان دنوں

انگریزوں کے خلاف علما کا ترکِ موالات کا فتویٰ چل رہا تھا جس میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ انگریز چونکہ ظالم اور جبری حاکم ہے اس لئے نہ اس کو ٹیکس دیا جائے نہ کسی چیز کا معاوضہ دیا جائے۔ چنانچہ لوگ ٹرینوں کا بغیر ٹکٹ کے مفت سفر کرتے تھے لیکن اس کوتاہی پر حضرت تھانویؒ نے ان کی خلافت واپس لے لی۔

جرگے کے افراد نے بندہ سے کہا کہ لڑکی جانا چاہتی ہے لیکن یہ بھائی اس کے راستے میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔لڑکی نے ساس سے اس بات کا رابطہ بھی کیا ہے۔ میرے بارے میں مشورہ ہوا کہ میں لڑکی کے بھائی کو ساتھ لے کر براہراست لڑکی سے بات کروں۔ بندہ بات کرنے کے لئے گیا۔لڑکی نے صاف جواب دیا کہ بالکل نہیں جانا چاہتی، اس کے رابطہ کرنے کی بات بالکل جھوٹی ہے۔اس پر ایک بار پھر میرا سر شرم سے جھک گیا کہ محض جھوٹی بات کو آگے لے کر گیا۔اگر بزرگ کسی کو نیک نیتی سے خلافت دے دیں تو خلیفہ صاحب کو شرم کرنی چاہئے کہ بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کر کے مجاہدات سے گزر کر اپنی تربیت کا بندوبست کریں تاکہ ہماری وجہ سے ہمارے بزرگوں کا نام بدنام نہ ہو۔

اس سے زیادہ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک باہر ملک کے سفر میں، میں اور پنڈی کے مولانا چراغ الدین شاہ صاحب ایک صاحب سے ملنے گئے۔ بتایا گیا تھا کہ کسی بزرگ کے خلیفہ ہیں، جب خلیفہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے باتوں کے دوران کہا: ''دیکھیں جی اللہ پاک نے فرمایا ہے یا ایھا الذین اٰمنو اصبرو و صابرو و رابطو یعنی آپس میں رابطہ بڑھاؤ، رابطہ پیدا کرو۔'' یہ سورۃ آل عمران کی آخری آیت ہے۔ یہاں رابطو کا قطعاً یہ معنیٰ نہیں تھا جو خلیفہ صاحب کہہ رہے تھے۔ چراغ الدین شاہ صاحب نے لقمہ دیا: رابطو یعنی لگے رہئے۔ میں نے لقمہ دیا اسلامی سرحد کی حفاظت یعنی رباط کرتے رہو۔ہم دونوں کے لقموں کے بعد یہ معلوم ہوا کہ حضرت خلیفہ صاحب کو تفسیر سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔اس سفر سے واپسی ہوئی تو سلسلے کے لئے جو کتابچہ

(بقیہ صفحہ نمبر ۴ پر)

حضرت خیال محمد باباجیؒ کی یادیں

(بنتِ پروفیسر محمد حکیم صاحب، ایم اے انگلش، حیات آباد، پشاور)

حضرت خیال محمد باباجی رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔۔آہ! یہ واقعہ جیسا کرب انگیز، حسرت ناک و جانکاہ ہے، اس کا اثر مرحوم کے پسماندگان پر درجہ بہ درجہ جو کچھ ہوتا تھا وہ ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ مرنے والے پر دکھ اور افسوس ہوتا ہے مگر اس کے مرنے کا نہیں کیونکہ ہر بندے کو موت تو آنی ہی ہے۔ آج وہ تشریف لے گئے، کل بعد والوں نے جانا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ مرنے والا نیک بندہ تھا، ہم اس کی خدمت نہ کر سکے۔ ہم نے اس کی خدمت کر کے جو اجر کمانا تھا اس سے محروم رہ گئے۔ ہمیں اس کی دعاؤں میں جو حصہ ملا کرتا تھا وہ حصہ ملنا بند ہو گیا۔

موت کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر کر وہی سویا جو کہ جاگا ہوگا

حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ سے میری جان پہچان بچپن ہی سے تھی کیونکہ وہ میرے والد محترم کے پیر بھائی تھے۔ دونوں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت عبدالحمید ہرمزی رحمہٗ اللہ جو کہ شمالی وزیرستان میں رہتے تھے سے بیعت تھے۔ حضرت ہرمزیؒ کی وفات غالباً ۱۹۶۶ء میں ہوئی اور حضرت ہرمزیؒ نے ایک سال کے قلیل عرصے میں جب کہ میرے والد محترم کی عمر تقریباً اٹھارہ، انیس سال تھی، والد محترم کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ہرمزی رحمہٗ اللہ کی وفات کے بعد میرے والد محترم کا حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آنا جانا زیادہ لگا رہا

اور حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے والد محترم کو گھر کے فرد کی حیثیت دی۔ میرے والد ماجد محترم فرماتے ہیں کہ حضرت باباجیؒ نے حضرت ہرمزی رحمۃ اللہ کی بے پناہ خدمت کی۔ رات گئے حضرت باباجیؒ اپنے پیر صاحب کی خدمت سے قبائل کے اُن ویران اور پُرخطر راستوں سے اپنی سائیکل پر واپس گھر کو لوٹتے اور شفقت اتنی کہ جب حضرت ہرمزیؒ، باباجیؒ کو والدِ محترم کی تشریف آوری کی اطلاع دیتے تو حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ دوڑے تشریف لاتے۔

اسی طرح ایک واقعہ والدہ ماجدہ کا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب میں دلہن تھی تو حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت مجھے چار روپے عنایت کئے اور فرمایا کہ ان کو صندوق میں رکھ دو۔ میری والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ اتنی برکت ہے کہ آج تک میرے صندوق میں پیسوں کی کمی نہیں ہوئی اور بہت بابرکت ثابت ہوئے۔

سوچنے کی بات ہے کہ جس کی عنایات کی اتنی برکت ہے تو اس کی خود کتنی برکت ہوگی۔

اللّٰھم اغفرہ و ارحمہ و ارفع درجاتہ و نور قبرہٗ و اجعل جنت مثواہ. اٰمین ثم اٰمین

(صفحہ نمبر ۲ سے آگے)

''اصلاحِ نفس'' میں نے لکھا تھا اس میں کتابوں کے مطالعے کا درجہ اول، دوم، سوم کا پورا نظام لکھا تاکہ سلسلے میں چلنے والوں کی علمی بنیاد ہو۔

حضرت حکیم الامت مجدد مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی ''تربیت السالک'' سے ایک بہت قیمتی اور عملی چیز نظروں سے گزری جس میں انھوں نے ایک مرید کے تربیتی سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ حضرات کاملین کی کتابوں کا مطالعہ مراقبے کا قائم مقام ہے۔ ذرا غور کریں تو جتنی دیر آدمی دینی کتاب پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ کا دھیان قائم رہتا ہے جو کہ مراقبے کا مدعا ہے۔ ان بزرگوں کا قلبی فیض بھی اس کی طرف آرہا ہوتا ہے۔ مضمون کی معلومات قاری کی معلومات میں اضافہ کر رہی ہوتی ہیں۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۷۰)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

قرآن اور سائنس:

فرمایا کہ ایک دن بندہ اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھا، آپؒ نے ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ عربوں کے ایک مشہور عالم شیخ طنطاوی نے جدید سائنسی معلومات کو بنیاد بنا کر ایک تفسیر لکھی۔ شیخ اونچے علمی مقام والی شخصیت تھے عرب بھی تھے۔ یہ تفسیر جب پاکستان پہنچی اور حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آئی تو آپؒ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید کر شیخ طنطاوی سے ملنے تشریف لے گئے۔ شیخ سے فرمایا کہ تو ہی بتا یہ قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے یا کہ سائنس کی کتاب؟ جواب واضح تھا کہ یہ ہدایت کہ کتاب ہے۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا تو پھر یہ بتا کہ اگر یہ سائنسی مفروضے کل بدل گئے تو کیا تو اپنی تفسیر کو بدلے گا؟ شیخ طنطاوی ایک حق پرست شخصیت تھے، فوراً قائل ہوئے اور فرمایا: اَنْتَ مَلَکٌ جِئْتَ لِھِدَایَتِی یعنی تو ایک فرشتہ ہے جو میری ہدایت کے لئے آیا ہے۔

قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے۔ اس نے اپنے ہدایت کے مضمون کو آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی کی مثالوں سے بیان کیا ہے۔ آیاتِ آفاقی کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو بیان کرنے والی آیتوں کو کہا جاتا ہے اور آیاتِ انفسی میں انسان کے اندر جو نشانیاں اس کی ساخت اور اعضاء سے متعلق ہیں ان کا بیان ہے۔ بہر حال ان مثالوں کو انتہائی سادہ اور عام فہم طریقے سے بیان کیا گیا ہے تاکہ عامی سے عامی آدمی سمجھ سکے۔ اور ان مثالوں کے ذریعے سے

ہدایت کے مضمون کو واضح کیا گیا ہے۔ چونکہ کتاب آسمانی ہے اور اللہ پاک کی جانب سے نازل ہوئی ہے اس لئے اس میں کسی جگہ کمزوری اور جھول نہیں ہے کہ اس کی کسی بات کا دُنیا میں موجود کسی علم سے ٹکراؤ آرہا ہو۔ روزمرہ کی سائنسی ایجادات اس کے حقائق کی تائید ہی کرتی رہی ہیں۔ اگر کسی جگہ ٹکراؤ محسوس ہوا تو بفضلہٖ تعالیٰ قرآنی آیات اپنی جگہ پر رہیں جبکہ سائنسی حقائق تبدیل ہوئے۔ تب پتہ چلا کہ غلطی سائنسی حقائق کو سمجھنے میں تھی جو اہلِ سائنس پر پورے طور پر واضح نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ سورۂ یٰسٓ میں آیت ہے وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا کہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ عرصۂ دراز تک سائنسی دنیا میں گلوبس کوپرنیکس کا نظریہ چل رہا تھا جس میں یہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین نیز باقی اجرامِ فلکی (Planets) متحرک ہیں۔ لوگوں کو اس کا احساس ہوتا رہتا تھا کہ یہ سائنسی اُصول قرآن کی آیت سے ٹکرا رہا ہے۔ مفسرین سے جب بھی سائنسی لوگ بات کرتے تھے تو مفسرین واضح طور سے کہہ دیتے تھے کہ ہماری آیت اور تفسیر یہی ہے اگرچہ سائنسی نظریہ کچھ بھی ہو۔ آخر عرصۂ دراز کے بعد دوسرے سائنسدان سر فریڈرک ولیم ہرشل نے انکشاف کیا کہ سورج اپنے نظامِ شمسی کو لئے ہوئے اپنی کہکشاں (Galaxy) میں کسی نامعلوم منزل کی طرف ایک راستہ پر سات لاکھ بانوے ہزار (۷۹۲۰۰۰) کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآنی آیت کی تفسیر اپنی جگہ پر رہی جبکہ سائنسی اُصول پورا واضح ہو جانے کی وجہ سے بدل گیا۔

آج کل ایک رواج انگریزی پڑھے لکھے طبقے میں خاص طور سے دینی ذہن والے فزکس، کیمسٹری اور بائیالوجی کے پروفیسروں اور میڈیکل ڈاکٹروں میں نیز اُردو کے پروفیسروں میں چلا ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر اپنے علوم کی روشنی میں خود کر رہے ہیں۔

سب سے پہلی کوشش تو غلام محمد گورنر جنرل نے کرائی۔ یہ ایک بہت خطرناک سازش تھی۔ جب غلام محمد نے دیکھا کہ پاکستان کے علماء شریعت کے نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور عوام بھی ان کا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں تو اس کو اندازہ ہوا کہ اس مطالبہ سے جان چھڑانا مشکل ہوگا۔ اس

لئے اس نے حل نکالا۔ غلام محمد خود انگریز کے دور میں فنانس سیکٹری رہا ہوا تھا۔ سازش کے تحت اِس بیوروکریٹ کو بغیر انتخاب کے اقتدار پر لائے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ایک سیکشن افسر غلام احمد پرویز کو ریٹائر کر کے اور کافی سارا فنڈ دے کر تفسیر لکھنے پر مقرر کیا، جس نے اپنی مرضی کی تفسیر لکھ کر ایک نیا دِین پیش کر دیا۔ ایوب خان کے دور میں پرویز کی ترتیب کے نفاذ کی بھرپور کوشش کی گئی۔ چنانچہ عائلی قوانین جو ایوب خان نے نافذ کیے وہ پرویزی ترتیب والے تھے۔ پاکستان کے علما نے جب ایوب خان سے کہا کہ ہماری اگر نہیں مانتے تو دُنیائے اسلام کے عرب علما کو بلا کر ان کے سامنے پرویزیوں کو پیش کریں تا کہ پتہ چلے کہ ان کے نظریات ٹھیک ہیں یا غلط۔ چنانچہ ایک مجلس (Seminar) میں جب پرویز کے پیروکاروں کی عرب علماء کے ساتھ نشست ہوئی تو عربوں کو حیرت ہوئی کہ یہ لوگ دِین کو بیان کر رہے ہیں جبکہ ان کو عربی ہی نہیں آتی۔ اس پر یہ فتنہ تو کچھ تھما لیکن عائلی قوانین بہرحال نافذ ہو گئے تھے۔

پروفیسر و ڈاکٹر حضرات نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں لیکن صرف نیک نیتی اور اخلاص کافی نہیں ہوتا، فنی مہارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ آدمی کا نیک نیتی سے خیر خواہ اس کا باپ، بھائی یا بیٹا ہوتا ہے لیکن آدمی اس سے علاج نہیں کرواتا بلکہ ماہر ڈاکٹر سے علاج کرواتا ہے کیونکہ اس میں علاج کی مہارت کی ضرورت ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی کسی آیت پر سائنسی وطبی حقائق کی روشنی میں تبصرہ کرنا گویا تفسیر بیان کرنا ہے۔ تفسیر کے بیان کے لئے کئی علوم کی مہارت کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کے بارے میں فرمایا ہے:

”کلامِ پاک کے معانی کے لئے جو شرائط وآداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ہمارے زمانے کی طرح جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اُردو ترجمے دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں دخل دے۔“

اہلِ فن نے تفسیر بیان کرنے کے لئے پندرہ علوم کی مہارت ضروری بتلائی ہے:

۱۔ لغت (جس سے الفاظ کے معنی معلوم ہوتے ہیں) ۲۔ نحو ۳۔ صَرف

۴۔ اشتقاق (لفظوں کی بناوٹ کا علم) ۵۔ علمِ معانی ۶۔ علمِ بیان

۷۔ علمِ بدیع ۸۔ علمِ قرأت ۹۔ علمِ عقائد ۱۰۔ علمِ اُصولِ فقہ

۱۱۔ علمِ اسبابِ نزول ۱۲۔ ناسخ ومنسوخ کا علم ۱۳۔علمِ فقہ

۱۴۔ علمِ حدیث ۱۵۔ پندرھواں علم وہبی ہے جو باطن اور دِل کی صفائی کے بعد تقویٰ کے بلند مقامات حاصل ہونے کے بعد اللہ پاک کی طرف سے ملتا ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ بعض آیات کی تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں ہوتی ہے۔اس کے بعد احادیث تفسیر کا ذریعہ ہیں، پھر صحابہؓ کے اقوال ہیں۔ فقہ کے ائمہ عظام نے سالہا سال آیات واحادیث اوران کی تشریح اُوپر بیان کئے ہوئے پندرہ علوم کی روشنی میں کرکے ایک ایک مسئلے کے بارے میں چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی جزئیات کے فیصلے کر کے جلدوں کی جلدیں بھری ہوئی ہیں۔چنانچہ ان آیات کی تفسیر میں تو مزید کوئی گنجائش نہیں ہے۔کچھ آیات جومظاہرِ قدرت کے بارے میں ہیں اورانسان کے بدن کے بارے میں ہیں،ان میں غورو فکر کی گنجائش ہے۔لیکن غوروفکر سائنسی اورطبی علوم کے ماہرین کوعلمائے تفسیر کی مدد سے کرنا چاہیئے۔ اپنے افکاراوراپنی تشریحات کوعلماتفسیر پر پیش کریں۔وہ اس پرغورکریں،ان سے خوب بحث مباحثہ کریں۔اگروہ مان لیں تو بیشک یہ ایک علمی کام ہوگیا۔قرآن مجید میں انسان کی پیدائش کے بارے میں جوآیات آئی ہیں،سعودی عرب کی حکومت نے ایک علمِ تشریح (Anatomy) کے ماہرکیتھ مورکو بلاکراپنے علما کی نگرانی میں اس سے کام کروایااورحیرت انگیزانکشافات ہوئے۔جس سے وہ عیسائی ڈاکٹرقرآن مجید کی حقانیت کا قائل ہوا۔

حال ہی میں میرے سلسلہ کے کچھ ماہرینِ سائنس حضرات نے تحریریں لکھیں۔ان سب سے عرض ہے کہ جوسلسلہ میں بیعت ہوں، پہلے میری تحریر ’’اصلاحِ نفس‘‘ کے تین درجوں کی کتب کا

مطالعہ کریں۔ اس کے بعد ذِکراذکار اور مراقبات سے گزر کر باطن کی صفائی حاصل کریں۔ اس کے بعد کچھ لکھنے کا ارادہ ہو تو بندہ سے مشورہ کیا کریں۔ بندہ سے خود نہ ہوسکا تو مناسب اہلِ علم حضرات کی مدد سے آپ کی ایسی رہنمائی کا بندوبست کریں گے کہ آپ کی تحریر علمی لحاظ سے دُنیائے اسلام میں عالمی معیار کی ہوگی اور آپ کے لئے آخرت کے عظیم اجر وثواب کا باعث ہوگی۔ وگرنہ تفسیر بالرائے والوں میں داخل ہوجائیں گے جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں اپنے لئے ٹھکانہ بنارہے ہیں۔

تھوڑا مجاہدہ کرلیں، دل روشن ہوجائے تو اس سے وہبی علوم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ان علوم کا اتنا لطف ہے کہ آدمی ہفت اقلیم (سات براعظم) کی سلطنت کو اس کے سامنے گرد سمجھتا ہے۔

صحیح پہچان پر زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جاتے ہیں:

فرمایا کہ کسی چیز کا فائدہ آدمی تب حاصل کرتا ہے جب اس کو پہچانتا ہے، پہچانے نہیں تو اس کا فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ ایک بزرگ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمہیں ہزار، ہزار روپے کے مسئلے میں سِکھا رہا ہوں، شاگرد بڑے خوش ہوئے۔ ایک طالب علم بازار گیا، اس کا جوتا پھٹا ہوا تھا، اس نے موچی سے کہا کہ میرے جوتے کی سلائی کردو۔ موچی نے کہا: کیا دوگے، اس نے کہا: آپ کو ایک مسئلہ بتادوں گا۔ اُس نے کہا مسئلہ آپ اپنے پاس رکھیں، ہمیں تو دو آنے دیں۔ اس طالب علم کو بڑا افسوس ہوا کہ یا اللہ! استاد صاحب تو کہہ رہے تھے کہ ہزار ہزار روپے کے مسئلے ہیں اور یہاں مسئلہ پر جوتا بھی نہیں سیا جاتا، دل برداشتہ ہوکر واپس آیا اور اُستاد صاحب کے سامنے اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اس کو ایک قیمتی ہیرا دیا کہ یہ لے کر بازار جاؤ۔ وہ جو بازار گیا تو ایک بیر بیچنے والی عورت کے پاس گیا، اس نے کہا چمکدار پتھر ہے، ہمارے کس کام کا، میں اس کے بدلے بیر نہیں دے سکتی۔ یہ جب جانے لگا تو اس نے کہا: چلو میرا چھوٹا بچہ اس کے ساتھ کھیلے گا، آپ مٹھی بھر بیر اس کے بدلے لے لیں۔ اُستاد صاحب نے کہا تھا کہ یہ بیچنا نہیں۔ وہاں سے وہ صرافہ بازار گیا جہاں

سونا چاندی ہیرے جواہرات بکتے ہیں، وہاں پر اُس نے جو صراف کے ہیرا سامنے کیا تو اس نے پہلے اسے اُوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر کہا: برخوردار کہاں سے چوری کیا ہے؟ اس کے حلیے وغیرہ کو دیکھ کر اس کو یہ یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ ہیرا اس کے ہاتھ میں ہوسکتا ہے۔ کما تو یہ سکتا نہیں ہے، ظاہر ہے کہیں سے چرایا ہوگا۔ اس نے بتایا کہ چرایا نہیں ہے یہ ہمیں اُستاد صاحب نے دیا تھا، اس نے کہا ہاں ان کا ہوسکتا ہے۔ صراف نے کہا کہ یہ تو ایسا ہیرا ہے کہ یہ ہم بازار والے خرید نہیں سکتے۔ اس کو بیچنا بھی ہو تو اس کو بادشاہ خرید سکتا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا جی ٹھیک ہے۔ جب واپس آکر شاگرد نے حالات سنائے تو اُستاد صاحب نے سمجھایا کہ کسی چیز کی قدر اس کو پہچاننے والا کرسکتا ہے۔ قدرِ زر زرگر شناسد، قدرِ جوہر جوہری۔ سونے کی قدر زرگر پہچانتا ہے اور جواہرات کی قدر جوہری پہچانتا ہے۔ کسی بادشاہ نے یہود پر حملہ کیا، اس وقت یہود صحیح دین پر تھے، اس نے بالکل ان کا خاتمہ کردیا، وہ بھاگے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، باقی لوگ ہیرے جواہر، سونا چاندی اور وہ چیزیں جن پر زندگی گزر سکتی تھی وہ اُٹھا کر بھاگے، یہود کا کوئی نیک عالم تھا اس نے اور کوئی چیز نہیں لی، تورات لے کر بھاگا۔ لوگوں نے کہا آپ کیا کررہے ہیں تو اس نے کہا میں ایسی چیز کو ساتھ لے رہا ہوں کہ اگر یہ باقی رہ گئی تو یہود باقی رہ جائیں گے اور اگر یہ باقی نہ رہی تو یہود باقی نہیں رہ سکتے یعنی سب قیمتی چیزوں سے اور سب ضرورت کی چیزوں سے بڑھ کر یہ چیز ہے۔ اگر یہ باقی رہ گئی تو پھر ہم باقی رہ جائیں گے یہ باقی نہ رہی تو ہم بھی باقی نہیں رہ سکیں گے۔ تو یہ پہچان ہے۔ ہم اور آپ زندگی میں دیکھیں تو پہچان ہی کام کرتی ہے آپ لوگ کہا کرتے ہیں نا کہ پہچان ہی Count کرتی ہے (شمار ہوتی ہے) سونے والا سونے کی پہچان پیدا کرتا ہے، اس پر کمارہا ہے، ہیرے والا ہیرے کی پہچان پیدا کرتا ہے، وہ اس پر کمارہا ہے۔ اس پہچان پر ہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ تصوف بھی ایک پہچان ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچانا۔

وارداتِ قلبیه:

فرمایا کہ قرآن میں انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا، ایک تو نافرمان ہیں جس کو اصحاب الشمال کہا گیا ہے اور ایک عام مسلمان جو اخلاص کے ساتھ دین پر عمل پیرا ہوں ان کو اصحاب الیمین اور صالحین کہا جاتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر پھر مقام سابقون السابقون اور مقربون کا ہے جو خاص اولیاء اللہ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبین و الصدیقین و الشھداء والصالحین تو سب سے اُونچا مقام تو انبیائے کرام کا ہے جن کا مشاہدۂ حق اور مشاہدۂ مغیبات عینی ہو۔ اس کے بعد صدیقین ہیں جن کا مشاہدہ قریب کا ہوتا ہے اور پھر شہداء ہیں۔ شہداء ایک تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہوجانے والوں کو کہتے ہیں۔ اور معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ شہداء اولیاء اللہ کا ایک گروہ ہے جن کا مشاہدہ بعید یعنی دور کا ہوتا ہے اور صالحین کا مشاہدہ نہیں ہوتا بس دین پر عمل کرنے والے نیک لوگ ہوتے ہیں۔ تو صالحین سے آگے بڑھ کر شہداء اور صدیقین اور مقربین کے مقامات کے لئے صوفیاء آدمی کے قلب پر کام کرتے ہیں جس میں کیفیت احسان کو حاصل کرنے کی کوشش کراتے ہیں اور یہ وارداتِ قلبیہ ہیں کہ عمل کرتے وقت ایسا دھیان ہو گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور یہ نہ ہو تو کم از کم یہ بات حاصل ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

آتے ہیں خیالوں میں نگاہوں میں دلوں میں
پھر ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشین ہیں

ایک اور شعر پڑھا کرتے تھے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حضرت مولانا صاحبؒ اس شعر کی دو طرح تشریح فرمایا کرتے تھے۔ایک تو یہ کہ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو گویا تم میرے ساتھ ہوتے ہو۔اور ایک یہ کہ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو تم میرے ساتھ ''گویا'' ہوتے ہو یعنی باتیں کر رہے ہوتے ہو۔تو یہ واردات قلبیہ ہوتی ہیں جس میں انسان کو یہ تعلق حاصل ہو جاتا ہے۔

جو آدمی Assessment ٹھیک نہیں کرسکتا اس کا کاروبار نہیں چمکتا وہ سارا دن لڑائیاں کرتا رہتا ہے، مغز کھپائی کرتا رہتا ہے:

فرمایا کہ قیصر صاحب (خلیفہ حضرت والا) کہا کرتا ہے کہ ہم بعض آدمیوں کو لاتے ہیں آپ ان کو کوئی توجہ ہی نہیں دیتے اور بعضوں کی بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں۔میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ دوکاندار اپنی بکری دیکھتا ہے۔جہاں بکری ہونے کے حالات نہ ہوں ہم اپنا وقت ضائع نہیں کرتے ہیں۔ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی طلب والا ہے اور اس آدمی کا اللہ کا تعلق پیدا ہوسکتا ہے۔تو ہم وہاں Investment (سرمایہ کاری) کرتے ہیں۔اپنا وقت Invest کرتے ہیں ہمارا اس میں کمیشن لگتا ہے اور جہاں اس کی توقع نہ ہو تو ہم اپنا وقت کیوں ضائع کریں۔تو دُکاندار اپنے گاہک کو پہچانتے ہیں اور اس پر وہ کماتے ہیں اور اسی پر کاروبار چمکتا ہے۔جو آدمی یہ Assessment ٹھیک نہیں کرسکتا اس کا کاروبار نہیں چمکتا وہ سارا دن لڑائیاں کرتا رہتا ہے، مغز کھپائی کرتا رہتا ہے۔

میں کبھی سودا لینے کے لئے جاؤں تو عالمگیر صاحب (سلسلے میں بیعت مُرید) کو ساتھ لے کر جاتا ہوں کیوں کہ اتنی دُنیا کی فکر اس نے کی ہے ماشاء اللہ کہ ہر چیز کا ریٹ اور Quality اس کو پتہ ہوتی ہے، اس میں اس نے معرفت اور پہچان پیدا کی ہوئی ہے۔اور ہم اگر بازار جائیں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہمیں دھوکا دے دیتے ہیں اور تھوڑی دیر میں پھانس لیتے ہیں۔

(جاری ہے)

باپ کی عظمت

(انتخاب: مولوی بلال صاحب)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک بدو آیا اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا باپ مجھ سے پوچھے بغیر میرا مال خرچ کر دیتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے باپ کو بلاؤ۔ جب باپ کو پتا چلا کہ میرے بیٹے نے میری شکایت کی ہے تو اس کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا۔ اس نے اس دکھ میں اپنے دل ہی دل میں چند شعر کہے، زبان سے ادا نہیں کئے اور مسجد کی طرف چل پڑا۔

جب وہ دربارِ رسالت مآب میں پہنچا تو جبرائیل امین تشریف لے آئے اور کہا کہ اے اللہ کے محبوب پیغمبر! اس کا مقدمہ بعد میں سنیں، پہلے اس سے وہ اشعار سنیں جو اس نے کہے ہیں لیکن زبان سے ادا نہیں کئے مگر اللہ رب العزۃ نے سن لئے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کے والد سے کہا کہ تیری بعد میں سنتا ہوں پہلے وہ سنا جو تو نے دل ہی دل میں کہے ہیں۔ وہ کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ کا رب ہمارے ایمان کو بڑھاتا ہی رہتا ہے۔ اس کی عزت کی قسم چند خیالات تھے جو خیالات کی ہی دنیا میں رہے، جو زبان پر نہیں آئے، آپ کے رب نے اسے بھی سن لیا۔ پھر اس نے وہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

بیٹا! جس دن تو پیدا ہوا ہم نے اپنے لئے جینا چھوڑ دیا، تیرے لئے جینا شروع کر دیا تھا، تیری ایک مسکراہٹ کے لئے جھلستی ہواؤں سے لڑا، ٹھٹھرتی راتوں سے لڑا، تجھے ایک ترنوالا کھلانے کے لئے میں کولہو کے بیل کی طرح پستا رہا، چلتا رہا اور میری جوانی کا رس گھل گھل کے تیری ہڈیوں میں اترتا رہا، تو بیمار ہوتا تو تجھ سے زیادہ میں بیمار ہو جاتا تھا، تو روتا تھا تو تجھ سے

زیادہ میں روتا تھا، تجھے نیند نہیں آتی تھی تو تجھ سے زیادہ میں تڑپتا تھا، تیری ایک مسکراہٹ دیکھنے کے لئے ساری ساری رات کام کرتا رہا۔ تیری بیماری مجھے دہلا دیتی، ہلا دیتی، کہیں تو مر نہ جائے، کبھی تیری ماں پہرہ دیتی کبھی میں پہرا دیتا کہ کہیں تو مر نہ جائے حالانکہ موت مقدر ہے لیکن تیری محبت نے ہمیں دیوانہ کر دیا تھا، ہم تیرے لئے جیتے رہے، پھر ہمیں یہ آس ہونے لگی تھی کہ تو جوان ہوگا ہم بوڑھے ہونگے، ہم تیری انگلی پکڑ کر چلے، تو ہماری انگلی پکڑ کر چلے گا، جیسے ہم نے تجھے کھلایا تو ہمیں کھلائے گا، جب تیرے اندر جوانی کی لہر دوڑی تو میری جوانی گھل گھل کر تیرے اندر اترتی گئی، تو سرسبز بن گیا اور میرے اوپر خزاں آگئی، تجھ پر بہار آگئی اور مجھے پت جھڑ نے گھیر لیا، میں دوہرا ہوگیا اور تو سیدھا ہوگیا، مجھے امید تھی ایسے وقت میں تو میرا سہارا بنے گا لیکن ایک دم تیری نظریں پلٹ گئیں، جیسے میں تیرا باپ ہی نہیں لگتا، جیسے میں تیرا کچھ لگتا ہی نہیں، تیری آنکھیں ماتھے پر چڑھ گئیں اور تو ایسے بات کرنے لگا جیسے میں تیرا نوکر ہوں اور میں اپنی تیس سالہ زندگی کو جھٹلا کر کہنے لگا کہ نہیں نہیں نہیں میں اس کا باپ نہیں بلکہ خادم ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم زار وقطار رو رہے ہیں اور سنتے جارہے ہیں۔ جب اس نے سارے اشعار سنا دیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کو گریبان سے پکڑا اور فرمایا: ”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے“۔

توجہ کا اثر

ایک بزرگ سے ایک مرید نے محبت کا اظہار کیا، فرمایا: ”تمہیں کیا محبت ہوتی، ہم کو ہی تم سے محبت ہے، اگر ہم اپنی توجہ کو ہٹالیں تو کبھی ہمارے پاس نہیں آسکتے۔“ چنانچہ مرید کی تنبیہ کیلئے انھوں نے ایک بار توجہ ہٹالی۔ کئی ماہ تک مرید کو آنے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ تھا اسی شہر میں۔ پھر توجہ کی تو آموجود ہوا۔ فرمایا: ”دیکھا بھئی یہ ہے تمہاری محبت کی حقیقت واصلیت۔“

(حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے پسندیدہ واقعات)

(قسط۔۳)

معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

(مولانا محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

معاشرے کی اصلاح میں نظامِ کفالت کا کردار

معاشرے کی اصلاح میں انفاق کے چوتھے طریقے کو ''نظامِ کفالت'' کہا جاتا ہے۔اس کا مفہوم کسی کے نان نفقہ، مالی حوائج اور ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے ذمہ لینا ہے۔اسلام نے اپنے پیروؤں پر حاجت مند طبقات کی کفالت لازمی وضروری قرار دی ہے۔اس سلسلے میں ایک طائرانہ جائزے سے چار طبقات سامنے آتے ہیں جن کی کفالت کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ بعض افراد کے نان نفقہ، رہائش و پوشاک اور دیگر مالی حاجات کی کفالت شرعاً واجب ہے۔ اس دائرے میں آدمی کی بیوی، نابالغ بچے اور بوڑھے والدین شامل ہیں۔آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور بوڑھے والدین کی بنیادی معاشی ضروریات یعنی خوراک، پوشاک، رہائش اور علاج اپنی مالی استطاعت اور حیثیت کے مطابق مناسب اور معروف طریقے سے مہیا کرتا رہے۔

۲۔ دوسرے درجے کے مستحقین کفالت وہ لوگ ہیں جن کا استحقاق مذکورہ بالا افراد سے کم ہو۔ اس دائرے میں محتاج بہن بھائی یا ان کی محتاج اولاد، چچا، ماموں اور خالائیں وغیرہ داخل ہیں۔ بشرطِ استطاعتِ مالی ان کی نگہداشت بھی ایک ضروری فریضہ ہے۔

۳۔ تیسرے درجہ میں وہ عام اعزہ داخل ہیں جنھیں ذی رحم محرم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اگر ایسے رشتہ دار محتاج ہوں یا نابالغ ہوں یا مفلس ہوں یا اپاہج ومعذور ہوں یا طالب علم ہوں یا جہل و بیوقوفی وغیرہ اعذار کی وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہوں تو بشرطِ استطاعتِ مالی ان کی کفالت بھی شرعی ذمہ داری ہے، اگر مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۴۔ چوتھے درجہ میں عام اہلِ مذہب واہلِ وطن داخل ہیں۔اگر ان میں کوئی مالی کہتری کا شکار ہو

جائے اور تہی دستی وقلاشی کے باعث اپنی مالی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہوتو مالداروں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے افراد کی معاشی کفالت کا بندوبست کریں۔

علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: اسلام نے دولت مند رشتہ داروں پر نان نفقہ واجب قرار دے کر معاشرتی تحفظ کی بنیاد رکھی ہے، اسلام نے اسے مستحب قرار نہیں دیا بلکہ ایک ایسا حق کہا ہے جس کے ادا کرنے کا حکم خود ذاتِ باری تعالیٰ نے دیا ہے۔ اسلامی کفالت کے یہ احکام نہ قدیم شریعتوں میں کہیں ملتے ہیں اور نہ آج کے جدید قوانین میں اس کا خیال پایا جاتا ہے۔ اسلام نے غریب وتنگ دست مسلمان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے امیر وخوش حال رشتہ داروں پر نان نفقے کا دعویٰ دائر کرسکتا ہے، یہ وہ حق ہے جسے ہم اسلامی معاشرے میں ایک معمولی اور قدرتی بات سمجھتے ہیں کیونکہ ہم نے اسے دین ہونے کی حیثیت سے جانا ہے۔ لیکن غیر مسلموں کے لئے یہ بات انتہائی حیرت انگیز اور باعث تعجب ہوسکتی ہے۔ (مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام: ۲۳،۲۴)

کفالت کے ابواب کے ذیل میں اسلام نے مہمان کی کفالت کا حکم بھی بڑی تاکید سے ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوتو وہ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کرے، ایک شب وروز کا انعام واکرام اور سہ روزہ ضیافت۔ (ابوداؤد)

علامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں: ضیافت شہری اور دیہاتی، تعلیم یافتہ اور جاہل ہر ایک پر فرض ہے، جس میں ایک روز خصوصیت کے ساتھ اور تحفہ کے ساتھ اور تین دن محض ضیافت اور اس سے زائد فرض نہیں۔ (المحلی لابن حزم: ۹/۱۷۴)

اسلامی معاشرے میں معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے مسلمانوں نے اس فرض کو بڑی فراخ دلی سے ادا کیا۔ اسلام کا یہ حکم ہوٹلوں، آرام گاہوں، سفر کی تیز رفتاری اور اس کی جملہ سہولتوں اور رسل ورسائل کی دیگر آسانیوں کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، کہ یہ تمام سہولتیں اور تمدنی آسانیاں ابن السبیل کی وضع اور کیفیت کو کم کردیتی ہیں، لیکن اگر آج بھی قرونِ اُولیٰ کی طرح اس

حکم کا بھر پورا حیا اور معاشرتی رواج ہو تو اس سے معاشرے کی معاشی اصلاح پر دور رس اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

غرض باہمی کفالت کا اسلامی نظام کوئی ایسے شئے نہیں کہ کسی وقتی ضرورت کے تحت کوئی امدادی کارروائی عمل میں آگئی، بلکہ یہ مستقل اور ہمہ گیر نظام ہے جس میں تمام افراد ایک دوسرے کی خبر گیری، تعاون اور افادیت کے ذمہ دار ہیں اور وجدان اور عمل ہر اعتبار سے اس فرض کے پورا کرنے کے پابند ہیں اس رفاہیت کا تعلق جہاں معاشرے کی اجتماعی بھلائی، امن وسکون اور خوشی و راحت سے ہے وہاں فرد کی ذاتی زندگی سے بھی ہے کیونکہ اس کے بھائی کو جو بھی فوائد حاصل ہوں گے اور جن نقصانات کا اسے سامنا ہوگا، بالآخر یہ بھی ان سے متاثر ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ نے مال داروں کے اموال پر فقرا کی کفالت کے بقدر لازم کیا ہے، اگر فقیر بھوکے ننگے اور زحمت میں ہوں اور اغنیا ان کو نہ دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور قیامت کے دن ان سے حساب لے گا اور ان کو عذاب دے گا۔ (کتاب الاموال لابی عبید: ۵۶۵)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ہر شہر کے اغنیا پر اپنے شہر کے فقرا کی کفالت فرض ہے اور حکومت انہیں مجبور کر سکتی ہے۔ اگر فقرا کو زکوٰۃ کافی نہ ہو تو اغنیا پر لازم ہوگا کہ انہیں گرمی سردی کا لباس فراہم کریں، مناسب غذا دیں اور بارش، گرمی اور سردی سے تحفظ کے لئے ان کی رہائش کا ایسا بندوبست کریں کہ گزرنے والوں کی ان پر نگاہ نہ پڑے۔ (اسلام اور دولت وثروت: ۲۶۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے فی کس ماہانہ غذا کی مقدار معلوم کی اور تیس آدمیوں کو بلا کر صبح وشام سیر ہو کر کھلایا۔ جن پر دو جریب غلہ صرف ہوا، اسی سے آپ نے اندازہ لگایا کہ ایک شخص ایک ماہ میں دو جریب غلہ کھاتا ہے، لہٰذا آپ نے ایک فرد کی کفالت کے لئے دو جریب غلہ مقرر فرمایا۔

(کتاب الاموال: ۲۴۷)

انسانیت کی پوری تاریخ میں کفالتِ باہمی کا ایسا نظام نہیں دیکھا گیا جو اسلام نے دیا، اسلام نے مالداروں کو یہ شعور بخشا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد

خداوندی ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.

(البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''واتی المال علی حبہ'' کا مقصود زکوٰۃ سے جدا ہے۔ وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے، تو آپ نے فرمایا: ہاں! مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر قرطبی:۲/۲۴۱)

فقہا نے اس حق کی وضاحت کی ہے کہ جب اُمت پر کوئی ایسی ضرورت آجائے جو خزانہ عام سے پوری نہ ہو سکتی ہو مثلاً جنگ، قحط سالی، وبا اور سیلاب وغیرہ تو اُمت کے مال داروں پر ایسے وقت میں عام رعایا اور مملکت کے مصالح کے لیے کفالت کا بوجھ پڑے گا۔ (تفسیر قرطبی:۲/۲۴۲)

اسلام کے ان سنہرے اصولوں سے اس دور میں بھی بھرپور رہنمائی ملتی ہے، جب خزانہ

عام سے غربا کی کفالت تو درکنار انہیں ٹیکسوں کے بھاری بھرکم بوجھ تلے داب دیا گیا ہو اور وہ زندگی کی بنیادی اور لازمی ضرورتوں کے لئے ترس رہے ہوں تو اسلام کا نظام کفالت ہی خبرگیری اور دادرسی کا وہ بہترین منہاج ثابت ہوسکتا ہے جو معاشرے میں معاشی ناہمواریوں اور اس کے نتیجے میں برپا فساد و بگاڑ کا بخوبی ازالہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر اہلِ اسلام اس طریقے سے کام لیتے ہیں تو معاشرے میں غربت کے خاتمے، امن وسکون اور عدل ومساوات کی بالادستی کا سنہرا دور پھر سے دیکھا جاسکتا ہے۔

کفارات اور معاشرہ کی معاشی اصلاح

معاشرے میں معاشی اصلاح کے لیے انفاق کا پانچواں طریقہ ''کفارات'' ہیں۔ اسلام نے معاشرے کے کمزور افراد تک دولت کی رسائی کا یہ ایک مستقل ذریعہ مقرر کیا ہے، کوئی شخص بلا عذر رمضان کا روزہ توڑ دے، کسی مسلمان کو بغیر قصد کے قتل کردے، اپنی بیوی سے ظہار یا ایلا کر لے، قسم کھا کر اسے توڑ دے، حاجی ممنوعات احرام کا ارتکاب کرلے تو بعض صورتوں میں لازمی اور بعض صورتوں میں اختیاری طور پر اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کا مخصوص حصہ ناداروں پر خرچ کرے۔ یہ نقد روپیہ کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور کھانے اور کپڑے کی صورت میں بھی۔ کفارات کے نظام سے غربا کو معاشی سہارے کا ایک مضبوط اور مسلسل ذریعہ بہم پہنچایا گیا ہے، جن سے مالی ضروریات کی تکمیل میں بھرپور مدد ملتی ہے۔

اصلاحِ معاشرہ میں نظامِ وقف کا کردار

معاشرے میں انفاق کے ذریعے اصلاح کا چھٹا طریقہ ''وقف'' ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس کے اجرا اور توسیع کی کافی ترغیب دی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کو خیبر میں کچھ زمین ملی تو آپؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خیبر میں زمین ملی ہے اور مجھے کبھی اس سے عمدہ مال نہیں ملا ہے، آپ ﷺ مجھے (اس کے بارے میں) کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اس کے فوائد صدقہ کر دو، اس طرح کہ اصل کو نہ تو فروخت کیا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ زمین فقرا، رشتہ داروں، غلاموں کی آزادی اور ابنِ سبیل کی مہمان نوازی کے لیے وقف کر دی۔ (مسلم: ۱۶۳۲)

اس سے فقہائے کرام نے وقف کی یہ تعریف مستنبط فرمائی کہ وقف کسی چیز کو خدا کی ملکیت میں کر دینا ہے تا کہ اس سے بندوں کو منفعت پہنچے، پس وہ چیز واقف کی ملک میں نہیں رہتی بلکہ خدا کی ملک ہو جاتی ہے، نہ اس کی بیع درست ہے، نہ ہبہ، نہ رہن اور نہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کو اپنے عمل سے استحکام بخشا اور اپنی وسیع جائیدادیں، اموال اور کنویں عام لوگوں کے نفع کے لیے وقف کیے جس نے معاشرے کی مالی اصلاح میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جس طرح مادی فوائد کی اشیا کو وقف کرنا درست ہے اسی طرح علمی فوائد مثلاً سکول و مدارس کی تعمیر یا کتابیں وغیرہ وقف کرنا بھی باعث اجر اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کا باعث بنتی ہیں، ضروری نہیں کہ وقف فقرا، رشتہ داروں، قیدیوں کی آزادی، ابنِ سبیل وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہو، بلکہ ہر کارِ خیر کے لیے وقف ہو سکتا ہے۔ مثلاً: ملک کے حفاظتی کاموں، مساجد و مدارس، قبرستان، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر وغیرہ۔ الغرض اسلام کے نقطۂ نظر سے یہ ایک وسیع ترین مالی مد ہے جس سے کام لے کر معاشرے میں مالی فساد و بگاڑ اور معاشی خرابیوں و ناہمواریوں کا بڑی حد تک ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

ہبہ و ہدیہ اور اصلاح معاشرہ میں اس کا کردار

انفاق کے ذریعے معاشرے کی مالی اصلاح کا ساتواں طریقہ ''ہبہ اور ہدیہ'' ہے۔ ہبہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اس طرح چیز کا مالک بنانا کہ نہ عوض مطلوب ہو اور نہ کوئی اور غرض ہو۔ ہبہ اور ہدیہ میں یہی فرق ہے کہ ہدیہ سے مقصود ثواب کے ساتھ ساتھ قربت و مودت (محبت) میں اضافہ کرنا

ہوتا ہے اور ہبہ میں کوئی غرض بجز ثواب کے پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ اسلامی لٹریچر میں ہمیں ہبہ کی ترغیب اور احکام تفصیل سے ملتے ہیں کہ کسی کو اس کی ضرورت کے پیش نظر کوئی شے ہبہ کر دی جائے اور وہ اس سے اپنی معاشی اصلاح میں کام لے یا کسی اور ضرورت میں صرف کر دے، اس طریقہ سے معاشرے میں غربت کا بڑی حد تک انسداد ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات غربا و فقرا کو کسبِ حلال کے معمولی ذرائع بھی میسر نہیں ہوتے اگر انہیں محنت و مزدوری اور صنعت و پیشہ کے معمولی اوزار و آلات بھی مہیا کر دیے جائیں تو وہ معاشرے پر بوجھ بننے کی بجائے اپنی معاشی کفالت بخوبی کر سکتے ہیں۔ مال دار طبقہ انفرادی و اجتماعی سطح پر اسلام کے اس سنہرے طریق کو کام میں لا کر بڑی حد تک معاشی اصلاحات کا بیڑا اٹھا سکتا ہے۔ ہبہ سے قریب تر ایک اصطلاح "منیحہ" کا ذکر بھی اسلامی لٹریچر میں موجود ہے۔ دورِ نبوی ﷺ میں تعاونِ باہمی کے تحت دودھ کا جانور دوسرے مسلمان بھائی کو مفت دے دیا جاتا تاکہ اس سے اپنی کفالت کر سکے اور دودھ کے انقطاع (ختم ہونے) پر واپس کر دیا جاتا۔ یعنی یہاں جانور کے بعض منافع بطورِ ہدیہ دیے جاتے۔ تکافل باہمی میں اس سے ہبہ کے کردار کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

عاریت اور اصلاح معاشرہ میں اس کا کردار

اسلام نے معاشرے میں ایک دوسرے کی معاشی خبر گیری کے لیے آٹھواں طریقہ "ماعون یا عاریت" کا ذکر کیا ہے۔ عاریت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو گھریلو یا عام افادیت کی حامل کوئی چیز محض اس کے نفع کے حصول کے لئے دی جائے، وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے اور پھر مالک کو واپس لوٹا دے۔ ابو بکر جصاصؒ کا کہنا ہے کہ ضرورت کے وقت عام افادیت کی چیزیں دینا فرض ہے اور نہ دینے والا مذموم حرکت کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی مذمت کی جانی چاہیے۔

(احکام القرآن جصاص)

اسلام میں عاریت کا قانون فقر و غنیٰ میں محدود نہیں۔ اس سلسلے میں شریعت نے کسی ایک

گروہ کو ترجیح نہیں دی اور نہ ہی کسی کا خاص لحاظ کیا ہے بلکہ ایک مقصد کے لیے متحد ہو جانے والے پورے معاشرے کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس طریق کو کام میں لا کر معاشرے کے بہت سارے حاجت مند افراد کی بعض معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کیا جا سکتا ہے۔

معاشرتی اصلاح میں صدقات نافلہ کا حصہ

معاشرے کی معاشی و اخلاقی اصلاح میں انفاق کا سب سے وسیع الجہات اور مؤثر ترین طریقہ ''صدقاتِ نافلہ'' کے ذریعے حاجت روائی اور خبر گیری کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اپنے ہاں ضابطہ جاتی معاوضہ ایک کے بدلے سات سو بیان کیا ہے اور اخلاص کے کمال، قوت اور بڑھوتری پر مزید اضافے کا اعلان فرمایا ہے۔ ماقبل میں بیان کیے گئے انفاق کے بعض طریقے بھی صدقہ ہی کے ذیل میں آتے ہیں لیکن اس عنوان سے اس کو مستقل اہمیت دے کر ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ اسلامی مصطلحات میں آج اس کا اصلی معنی فراموش کر لیا گیا ہے اور لفظ ''صدقہ'' احسان اور بخشش کا ہم معنی بن گیا ہے۔ عوام کی نظر میں صدقہ کرنے والا احسان و بخشش کرنے والا ہے اس لیے وہ قابل ستائش ہے، جبکہ صدقہ قبول کرنے والا دوسرے کے احسان کا بار اٹھا رہا ہے اس لیے یہ تقاضا غیرت کے خلاف ہے۔ صدقہ کا یہ تصور اسلامی مزاج کے بالکلیہ خلاف اور معاشی اصلاحات کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اسلام نے صدقہ میں احسان جتلانے کی اس آمیزش کو ''رِئَآءَ النَّاس'' اور ''مَن وَّاَذیٰ'' کا عنوان دے کر گھٹیا حرکت کے طور پر متعارف کروایا ہے۔ یعنی جو آدمی صدقہ دے کر صدقہ وصول کرنے والے پر جتائے، اسے تکلیف دے تو ایسے شخص کو ایمانی بصیرت سے تہی دامن سمجھا ہے۔

صدقات نافلہ کے طریق سے معاشرے میں وسیع تر رفاہیانہ سرگرمیوں کی تشکیل اس طور پر کی جا سکتی ہے کہ نجی یا اجتماعی سطح پر زائد از ضرورت مال و دولت کو معاشرے کی معاشی ترجیحات معلوم کر کے خرچ کرنے کی منظّم منصوبہ بندی کی جائے۔ اس کے لیے موجودہ دور میں بے روزگاری

ختم کرنے کے منصوبے، صحت کی سہولیات بہم پہنچانے کے واسطے فری ڈسپنسریوں اور ہسپتالوں کا قیام، معذور اور مکمل تہی دست افراد کے لئے مستقل بنیادوں پر غذائی بندوبست، بے گھر اور حوادث سے متاثرہ افراد کے لیے رہائشی ضروریات کی فراہمی، ناخواندہ اور دیہی علاقوں میں دینی اور عصری تعلیمی منصوبوں کا اجرا اور زندگی کی بنیادی ضروریات یعنی لباس و پوشاک وغیرہ مہیا کرنے کی ترتیبات صدقات نافلہ کے ترجیحی اور اہم مصارف ہو سکتے ہیں۔ گو ان کاموں کے لیے معاشرے میں کئی این جی اوز سرگرم ہیں اور انفاق کی مدات سے کام لے رہی ہیں لیکن انفاق کے اسلامی فلسفہ اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر اسلامی نظریۂ حیات سے ہم آہنگ طریق کے موافق اس کے اجرا کی ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ مزید مستحکم ہو اور اس کے نتائج وثمرات سے معاشرہ پوری طرح بہرہ ور ہو، وطن خداداد کی حد تک ہمارے اربابِ مال کو یہ منصوبے مدِ نظر رکھ کر منظّم خطوط پر آگے بڑھنا چاہیے تاکہ طرق انفاق سے معاشرے کی اصلاح وتعمیر کا زیادہ سے زیادہ کام لیا جاسکے۔

قرض حسنہ اور معاشرے کی معاشی اصلاح

اسلام کے نظام انفاق کی ایک اور شق اور دسواں طریقہ ''قرضِ حسنہ'' ہے۔ باہمی حسنِ سلوک اور ہمدردی کی بنیاد پر بغیر کسی نفع کے اپنا مال کچھ مدت کے لیے کسی کو دینا تاکہ وہ اپنی ضرورت سے سبک دوش ہو، انسانیت پر اسلام کا احسان ہے۔ آج سود کی لعنت نے اس اہم اسلامی حکم کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جس سے معاشرے میں استحصالی رویے پروان چڑھے ہیں اور افراد سے لے کر ملکوں تک اس گرداب میں سسک رہے ہیں۔ اسلام نے قرض خواہ کو ترغیب دی ہے کہ قرض کی وصولیابی میں قرض دار کی معاشی پوزیشن پیشِ نظر رکھے اور اسے مہلت دے تاکہ وہ تکمیلِ ضرورت کے بعد اپنی معاشی حالت سدھار لے۔ اس سے معاشی استحکام میں قرضِ حسنہ کے کردار پر روشنی پڑتی ہے اور اس سے کام لینے میں اسلام کی ترغیب اور دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ موجودہ دور میں اگر قرض حسنہ کو نجی واجتماعی سطح پر رواج دیا جائے تو معاشرے میں بے روزگار افراد کی ایک بڑی

تعداد کو روزگار کی فراہمی اور معاشرتی اصلاح میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔

یہ انفاق کے دس طریقوں کا ایک مختصر سا جائزہ تھا۔ ان طریقوں کے اجرا سے بنیادی فائدہ تو یہ ہوگا کہ بخل وشح، اسراف وتبذیر اور ان کی کوکھ سے جنم لینے والے مہلک عناصر اور فسادات کا انسداد ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کی معیشت کا ایجابی رخ بھی سنور سکے گا۔

یہاں یہ بات خصوصیت اور توجہ کیساتھ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان مادی اثرات ونتائج سے بالاتر ہو کر انفاق کے حکم کو پورا کرنا مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے اور ہمیشہ اسی پہلو کو مقدم رکھنا اس کا فریضہ ہے۔ جہاں تک معاشرے پر پڑنے والے اس کے مادی اور معاشی اثرات کا تعلق ہے یہ انفاق کی خصوصیات ہیں جب انفاق کو وجود ملے گا تو ضمناً یہ خصوصیات واثرات خود وجود میں آئیں گی، آج مادیت کے تباہ کن اثرات، غربت، گداگری، مہنگائی، بدامنی اور حرام خوری سے بچاؤ کا واحد راستہ یہی ہے کہ ایسی علمی مجالس کے ذریعے عوام کی تربیت اور اس حوالے سے شعوری لٹریچر کی تیاری اور اشاعت کی طرف اہلِ علم متوجہ ہوں، تاکہ اسلام کے ان سنہرے اصولوں سے کام لے کر معاشرہ کی تعمیر وترقی کا فریضہ بخوبی انجام دیا جا سکے۔

☆☆☆☆☆

مُراقبۂ موت

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ　　بہرِ سر افگندگی ہے یاد رکھ

ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ　　چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(کشکولِ مجذوب از خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مقدہٗ)

ایک خط

(بنتِ پروفیسر محمد حکیم صاحب، ایم اے انگلش، حیات آباد، پشاور)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

ڈاکٹر صاحب! امید ہے آپ خیریت سے ہونگے۔ اللہ آپ جیسے بزرگانِ دین کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔ (آمین)

الحمدللہ، اللہ پاک نے مجھے عمرے کی سعادت نصیب فرمائی اور آپ نے اکتوبر ۲۰۱۴ء کے شمارے میں وادئ جن کا جو ذکر فرمایا ہے اسے دیکھنے کی توفیق بھی ملی۔ جب پانی کی بوتلیں چڑھائی کی طرف جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ماہنامہ غزالی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس میں، میں آپ کے بیان بہت غور سے پڑھتی ہوں۔ بہت ایمان تازہ کرنے والے اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو سوالات ذہن میں آتے ہیں ان کے جوابات بھی پالیتی ہوں، جیسے ماہنامہ مارچ ۲۰۱۵ء میں انجینئر پروفیسر قیصر علی صاحب کے مضمون ''صراطِ مستقیم'' نے میرا دماغ کلیئر کردیا۔

چونکہ ماہنامہ غزالی سلسلے کے علاوہ بھی ہر عمر اور ہر شعبے کے لوگ پڑھتے ہیں تو یہ تجویز پیش کرنا چاہوں گی کہ جیسے مرد حضرات میں سنت ڈاڑھی کا رجحان نہیں پایا جاتا اسی طرح خواتین میں بھی شرعی پردہ کا رجحان مفقود ہے۔ اس لئے شرعی پردہ پر مضامین اور اس بارے میں آپ کے بیان کی رسالے میں ضرورت کرتی ہوں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ پاک اس چمن کو مزید ترقی عطا کرے اور تا قیامت شاد و آباد رکھے۔ (آمین)

والسلام۔

بنتِ پروفیسر محمد حکیم صاحب، پشاور۔

رویتِ ہلال اور عالمی تناظر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہر سال یہ بات سامنے آتی ہے کہ سعودی عرب اور باقی دنیا میں روزہ، عید وغیرہ کا تو اعلان ہو جاتا ہے جبکہ پاکستان میں یہ بات لازمی ہوگئی ہے کہ اس کے ایک دن بعد اعلان ہوتا ہے۔ اس دفعہ تو ایک پرائیویٹ چینل بار بار اس بات کا اعلان کر رہا تھا کہ ایک دن پہلے روزہ رکھنے والے فسادی ہیں۔ گویا ان کے علاوہ باقی ساری دنیا فسادی ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں عموماً برنارڈیالیپ کے پیچھے چلتے ہیں۔ برنارڈیالیپ کافر ہونے کے ناطے شاید 6/6 Eye Sight (چھے بٹہ چھے نظر) سے نظر آنے والے کو پہلی رات کا چاند کہتا ہے۔ اسی لئے رویتِ ہلال کمیٹی کی پہلی کا چاند ہر ایک آدمی کو نظر آ رہا ہوتا ہے جس کے لئے گواہی، جرح اور میٹنگ کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ بغیر رویتِ ہلال کے اعلان کے ہر کوئی جان لیتا ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے۔ آئی سائیٹ کے بارے میں میڈیکل رائے یہ ہے کہ 6/6 سے اوپر ایک درجہ 6/5 بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ تیز نظر بھی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ انتہائی باریک چیز کو دیکھ لیتے ہیں۔ اسلامی رویتِ ہلال، گواہوں کا قاضی کے آگے آنا، ان کی گواہی پر جرح ہونا، اس کے بعد قاضی کا فیصلہ کرنا، یہ ترتیب عرصۂ دراز تک عمل میں نہ ہونے کی وجہ سے جن ممالک میں شرعی حکومتیں نہیں ہیں شاید ان کے رواج اور تجربہ سے نکل چکی ہے۔ ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک طرف برنارڈیالیپ والوں کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ سائنسی اصولوں کے مطابق چاند نظر نہیں آ سکتا اور ہمارے لوگوں کو نظر نہیں آیا جبکہ دوسری طرف پشاور کے محتاط اور سمجھدار علما، پشاور شہر کے گرد آلود ماحول کے مقابلے میں پندرہ بیس کلومیٹر باہر سے آئے ہوئے گواہوں کی گواہی شرعی جرح اور بحث کے بعد قبول کر کے چاند دیکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔ اب ان دونوں اعلانوں کو (باقی سامنے صفحہ پر)

عبرتناک

(از فضائل درود شریف، حضرت مولانا زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ انتخاب: مولوی بلال صاحب)

سورۃ الاحزاب کی آیت

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

کے متعلق علامہ سخاوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی عبرت ناک قصہ لکھا ہے۔ وہ احمد یمانی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں صنعاء میں تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بڑا مجمع ہو رہا ہے، میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ شخص بڑی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا تھا۔ قرآن پڑھتے وقت جب اس آیت پر پہنچا تو "یصلون علی النبی" کے بجائے "یصلون علیٰ علیّ النبی" پڑھ دیا، جس کا ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ اور اس کے فرشتے حضرت علیؓ پر درود بھیجتے ہیں جو نبی ہیں (غالباً پڑھنے والا رافضی یعنی شیعہ ہوگا) اس کے پڑھتے ہی وہ گونگا ہو گیا، برص اور جزام یعنی کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اندھا اور اپاہج ہو گیا۔ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ اللہ ہی محفوظ رکھے اپنی بارگاہ میں اور پاک رسولوں کی شان میں بے ادبی سے۔ ہم لوگ اپنی جہالت اور لاپرواہی سے اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ ہماری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی پکڑ سے محفوظ رکھے۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ)

شرعی ترازو میں تولا جائے کہ ان میں سے کس کے پیچھے چلنا شرعاً لازمی ہے۔ چاہئے کہ حکومتی رویتِ ہلال کمیٹی کے علما پشاور کی کمیٹی کے ساتھ بیٹھیں اور علمی دلائل سے ان کو لاجواب کریں یا ان کے علمی دلائل سن کر رویت کے قائل ہوں۔ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بات پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

نمازیں

(قسط۔۸)

(قاضی فضل واحد صاحب)

صلوٰۃ تسبیح

حضرت جابر بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا آپ کو خاص بات بتاؤں؟ کیا آپ کے دس کام اور دس خدمتیں کروں؟ یعنی آپ کو ایک ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جس سے آپ کو دس عظیم منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایک ایسا عمل ہے جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرما دے گا، اگلے بھی اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ ہونیوالے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی، وہ عمل صلوٰۃ تسبیح ہے میرے چچا!

آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھ لیا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک بار پڑھ ہی لیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ بحوالہ محاسن اسلام ۲۰۰۳ء)

صلوٰۃ تسبیح مستحب ہے، ثواب اس کا احادیث میں بے شمار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی تھی کہ اے چچا! اس کے پڑھنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اگلے پچھلے نئے پرانے، اگر تم سے ہو سکے تو ہر روز ایک مرتبہ اس کو پڑھ لیا کرو ورنہ ہفتے میں ایک بار، ورنہ مہینے میں ایک دفعہ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو تمام عمر میں ایک بار۔

(ترمذی)

بعض محققین کا قول ہے کہ اس قدر فضیلت معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی اس نماز کو نہ پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین کی کچھ عزت نہیں کرتا۔ (شامی)

صلوٰۃ تسبیح کی چار رکعتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔ بہتر ہے کہ چاروں رکعتیں ایک سلام سے پڑھی جائیں۔ اگر دو سلام سے پڑھی جائیں تب بھی درست ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس نماز کے لئے کوئی خاص سورۃ بھی تم کو یاد ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ! الھاکم التکاثر، والعصر، قل یا ایھا الکفرون، قل ھو اللہ احد. (بحوالہ علم الفقہ)

مختصر صلوٰۃ تسبیح: جو لوگ صلوٰۃ تسبیح پڑھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس کے پڑھنے کی فرصت نہ ہو ان کے لئے حدیث شریف میں ایک مختصر صلوٰۃ تسبیح بھی بیان کی گئی ہے۔

ام سلیمؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو چند کلمات سکھائے جن کو نماز کے اندر پڑھ لیں تو جو دعا مانگیں وہ قبول ہوگی۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ سبحان اللہ دس مرتبہ، الحمد اللہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ۔ (ترمذی، مسند احمد)

فائدہ: اس مختصر صلوٰۃ تسبیح میں جن کلمات کو دس دس مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے حدیث شریف میں نماز کے اندر ان کی کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہے، اس لئے نمازی کو اختیار ہے کہ وہ نماز کے جس رکن میں چاہے ان کو پڑھے یا التحیات کے آخر میں پڑھ لے۔

(نجات المسلمین از مولانا مفتی شفیع صاحبؒ بحوالہ محاسن اسلام نومبر ۲۰۰۰ء)

صلوٰۃ تسبیح کی تاثیر اور برکت: نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ط اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡھِبۡنَ السَّیِّاٰتِ (سورۃ ھود:۱۱۴)

لیکن اس تاثیر میں صلوٰۃ تسبیح کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کی برکت سے بندہ کے

اگلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشید، علانیہ سارے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) کو صلوٰۃ تسبیح کی تلقین کرنے کے بعد فرمایا: فانک لو کنت اعظم اھل الارض ذنبا غفرلک بذالک اگر بالفرض تم دنیا کے سب سے بڑے گناہ گار بھی ہوگئے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تمہاری مغفرت فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کردے جو رحمت ومغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

(معارف الحدیث)

نمازِ سفر

جب کوئی شخص اپنے وطن سے سفر کرنے لگے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ دو رکعت نماز گھر میں پڑھ کر سفر کرے اور جب سفر سے آئے تو مستحب ہے کہ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لے اس کے بعد اپنے گھر جائے۔ (درمختار وغیرہ)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اپنے گھر میں ان دو رکعتوں سے بہتر کوئی چیز نہیں چھوڑتا جو سفر کرتے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ (طبرانی)

نبی کریم ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لیتے تھے۔ (مسلم)

مسافر کو یہ بھی مستحب ہے کہ اثنائے سفر میں جب کسی منزل پر پہنچے اور وہاں قیام کا ارادہ ہو تو قبل بیٹھنے کے دو رکعت نماز پڑھ لے۔ (شامی بحوالہ علم الفقہ)

صحیح احادیث میں تین دن تین رات کی مسافت کو خاص مؤثر قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے۔

حدیث: ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں نماز دو، دو رکعت ہی فرض کی تھی اقامت اور سفر میں پھر سفر کی نماز اسی طرح اصلی حالت پر رکھی گئی اور اقامت کی حالت میں دو رکعت زیادہ کر دی گئیں۔

حدیث: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نماز فرض کی۔ اقامت کی حالت میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعات۔

حدیث: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کی نماز، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور سفر کی نماز دو، دو رکعت ہیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا۔ وہ ظہر، عصر اور عشاء کے فرض دو، دو رکعت پڑھتے تھے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے سفر میں دو رکعات ہی پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے تھے؟ انھوں نے کہا، ہاں دس دن تک ہم ٹھہرے تھے۔

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اور ایک رات کو بھی سفر ہی کیا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چار برید کی مسافت کے سفر میں قصر نماز (ظہر) عصر اور عشاء کی دو، دو رکعت پڑھتے تھے اور افطار کرتے تھے اور چار برید سولہ فرسخ کے ہوتے تھے۔ (سولہ فرسخ اڑتالیس میل بنتے ہیں)

حدیث: علی بن ربیعہ اسدی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر سے نکلے تو نماز قصر کی حالانکہ ہمیں گھر اور مکانات نظر آ رہے تھے۔ (یعنی ہم اپنے شہر میں پہنچ گئے تھے) تو انھوں نے کہا نہیں جب تک ہم اپنے شہر میں داخل نہ ہو جائیں قصر ہی پڑھیں گے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ کی آبادی سے نکل جاتے تو قصر شروع کر لیتے، یہاں تک کہ جب واپس مدینہ منورہ پہنچے تو قصر ختم کر دیتے تھے۔

حدیث: حضرت سالم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اپنی زمینوں کی طرف جاتے جو مدینہ طیبہ سے سولہ فرسخ (۴۸ میل) دور تھیں تو وہاں قصر نماز پڑھتے تھے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قصر نماز کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین فرسخ کی مسافت کا سفر ہوتا تو قصر نماز پڑھتے تھے۔

حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب سفر میں امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعات پڑھتے اور جب تنہا پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔ (بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

عورت کا سفر

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت اپنے محرم رشتہ دار کے بغیر تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت حج کے لئے بغیر محرم کے ہرگز نہ جائے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان والی عورت بغیر محرم کے ایک دن یا ایک رات کا سفر نہ کرے۔

مسئلہ: عورت کے لئے ضروری ہے کہ بغیر محرم یا خاوند کے حج کے لئے نہ جائے۔ جبکہ عورت اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اور محرم بھی فاسق فاجر اور بدکار نہ ہو بلکہ نیک ہو۔

مسئلہ: شادی کے بعد جب عورت مستقل طور پر اپنے خاوند کے یہاں رہنے لگے تو اس کا گھر وہی بن جائے گا۔ اس کے بعد اگر تین منزل کا سفر کر کے اپنے ماں باپ کے گھر گئی تو وہاں بھی پوری نماز پڑھے۔ اس لئے کہ وہ بھی اس کا وطن اصلی ہے۔

مسئلہ: عورت نے تین منزل سفر کی نیت کی۔ لیکن دو منزلیں حیض کی حالت میں گزریں۔ جب سفر ایک منزل باقی تھا تو پاک ہوگئی تو اس صورت میں وہ مسافر نہ رہی لہٰذا وہ پوری نماز پڑھے۔ البتہ حیض سے پاک ہونے کے بعد میں سفر تین منزل یعنی ۴۸ میل کا باقی ہو تو پھر مسافر کی طرح قصر نماز پڑھے۔ (ردالمختار جلد ۸، بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

مسئلہ: عورت خاوند کے تابع ہوتی ہے۔ سفر میں خاوند کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جتنا جس جگہ اس نے ٹھہرنے کا ارادہ کیا اتنا ہی بیوی بھی ٹھہرے گی۔ اگر اس کا پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو عورت بھی مسافر نہیں رہے گی چاہے ٹھہرنے کی نیت کرے یا نہ کرے۔ اگر خاوند کا ارادہ کم ٹھہرنے کا ہے تو عورت بھی مسافر ہے، قصر نماز پڑھے۔ (ردالمختار جلد ا)

نمازِ توبہ

جس شخص سے کوئی گناہ صادر ہو جائے اس کو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے اس گناہ کے معاف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے اور اس کے بعد فوراً طہارت کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہے، اللہ اس کے گناہ بخش دے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ سند اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران:۱۳۵)

(بحوالہ علم الفقہ)

تشریح: یہ آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورۃ آل عمران کی ہے، اوپر اللہ تعالیٰ کے ان متقی بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں ان گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنھوں

نے معصیت کو عادت اور پیشہ نہیں بنایا ہے بلکہ ان کا حال یہ ہے جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور پکا طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔ (معارف الحدیث)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے۔ پھر وہ اٹھ کر وضو کرے پھر نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتے ہیں۔ (فضیلت کی راتیں/مولانا نعیم الدین)

نمازِ قتل

جب کوئی مسلمان قتل کیا جاتا ہے تو اس کو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے گناہوں کی مغفرت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تا کہ یہی نماز و استغفار دنیا میں اس کا آخری عمل رہے۔

(طحطاوی، مراقی الفلاح وغیرہ)

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے چند قاریوں کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے کہیں بھیجا تھا اثنائے راہ میں کفار مکہ نے انہیں گرفتار کیا سو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور سب کو وہیں قتل کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں جا کر بڑی دھوم دھام اور بڑے اہتمام سے شہید کیا۔ جب وہ شہید ہونے لگے تو انہوں نے ان لوگوں سے اجازت لے کر دو رکعت نماز پڑھی اس وقت یہ نماز مستحب ہوگئی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ علم الفقہ)

(جاری ھے)